اسلامی ریاست میں بقائے باہمی کے مظاہر کا اختصاصی مطالعہ

Prime Factors for Co-Existence and Harmony in Islāmic State: An Inclusive Study

*ڈاکٹر محب النبی طاہر

**ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر

Abstract

Islām is the religion of peace, and is the banner barges of survival of humanity that is why pivot of all Devine orders and commandments is reformation of society and humanity, such as to create peace and tranquility in the world. Islām trains its followers to go to extreme levels to avoid bloodshed and conflicts even with their bitterest enemies. So that survival of humanity may have its logical and material means and vent for reformation forces may become open. The dealings and affairs of Islāmic state during Rasūl and Khulafa-e-Rāshidīn reign with non-Muslim states is an embodiment of such Devine example. The instance of their reign paved the way for successors of all the states to set golden principles of mutual survival for nations and countries the following passage gives summarily analysis of such principles.

Keywords: Humanity, Tranquility, Extreme levels, Rasūl, Khulafa-e-Rāshidīn

شریعت اسلامیہ کے تمام احکامات میں اللہ تعالیٰ کے فرامین کے نفاذ پر ترغیب و ترہیب کا محور بقائے انسانیت اور معاشروں کی اصلاح ہے جس سے دنیا میں امن و آشتی پیدا ہو۔ اسلام اپنے نام لیواؤں کی تربیت اِس نہج پر کرتا ہے کہ وہ اپنے مخالفین سے بھی آخری حد تک جاتے ہوئے کشت و خون اور ٹکراؤ سے پہلو تہی برتیں، تاکہ انسانیت کی بقا کا سامان پیدا ہو اور اصلاح کے دریچے وا ہوں۔ اس کی عملی مثالیں ہمیں دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ادوار میں اسلامی ریاست کے غیر مسلموں سے تعلقات کی صورت میں دکھائی دیتی ہیں کہ کس شاندار انداز میں زیر دست اقوام و افراد سے باہمی معاملات کیے جاتے رہے، جس سے آنے والی اقوام کے لیے بھی بقائے باہمی کے زریں اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

اسلام صاف ستھرا اور عدل و مساوات پر مبنی انسانی معاشرہ قائم کرنے کا علم بردار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، ارشاد فرمایا:

---

* لیکچرر اسلامیات، گورنمنٹ گرونانک پوسٹ گریجوایٹ کالج، ننکانہ صاحب۔

** پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ [1]

اور (اے رسول ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اگرچہ دین اسلام کی امتیازی دینی عبادات و ہدایات (مثلاً رمضان کے روزوں کی فرضیت، زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی وغیرہ) کے قیام کا سلسلہ جاری رہا، لیکن اس نے سابقہ آسمانی صحیفوں کے متبعین (یہودیوں اور عیسائیوں) کے اپنے ادیان پر قائم اور عمل پیرا رہنے کے حق پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ اس طرح دشمنانِ اسلام کے خلاف تعزیری کارروائی (Punitive Action) میں مختلف طریقے اختیار کرنے کا سارا معاملہ محض سیاسی نوعیت کا تھا۔ یہ سیاسی لچک اور حقیقت پسندی پر دلالت کرتا ہے۔

چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب نے اہل عرب کے نقطہ نظر سے ایک بالکل نیا طریقہ زندگی پیش کیا تھا، لہٰذا آپ ﷺ کو پہلے ہی قریش اور دیگر عرب قبائل کی طرف سے انتہائی غیر موافق ردّ عمل کی توقع تھی۔ اس طرح مسلمان دفاعی پوزیشن ہی اختیار کرنے پر مجبور تھے۔

اگر اسلام کی اشاعت محض اپنی قوت اور برتری کے مظاہرہ کے لیے ہوتی یا اس کا سبب آزادی مذہب سے انکار کرنا ہوتا تو پیغمبر اسلام ﷺ کے سامنے مدینہ کے یہودی قبائل کے خلاف یہ روش اختیار کرنے کے لیے کہیں زیادہ اسبابِ جواز اور کافی مواقع موجود تھے، لیکن اُن کے معاملہ میں آپ ﷺ نے یہ پالیسی کبھی نہیں اپنائی، نہ تو عرب قبائل کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ اس معاملہ میں قرآن کی اصطلاحی زبان سے ہی اصل مدعا واضح ہے اور اس روشنی میں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے غیر مہذب بدو، بت پرست قبائل کو اسلام میں داخل کرنے کی کوشش فی الواقع انسانی بقائے باہمی کے لیے ایک ایسے مہذب عملی ڈھانچے کے قیام کی کوشش تھی، جو انسان کی اصول پسندی، ذہنی پختگی اور شرف و وقار پر مبنی ہو۔ اس اقدام کی حقیقت بخوبی ذہن نشین ہو تو اس سے انسانیت کے شایان شان نظریاتی رواداری اور بنیادی انسانی حقوق سے حقیقی دل چسپی کے اس تصور کا ثبوت ملتا ہے، جو بحیثیت "خلیفہ" زمین پر اللہ کا نائب ہونے اور انسانی مسؤلیت اور ذمہ داری کا امین ہونے کی بنا پر عائد ہوتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک سے متعلق فرمان ہے:

«أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا، أَوِ انْتَقَصَهُ، أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ، فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» [2]

---

1 الانبیاء ۲۱: ۱۰۷

2 ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، **السنن**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۴ء)، کتاب الخراج والامارة والفئی، باب فی تعشير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارة، حدیث: ۳۰۵۲

جو شخص کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کرے گا یا اُس کے حق میں کمی کرے گا یا اُس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا یا اُس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لے گا تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے دفاع کروں گا۔

یہ محض تنبیہ ہی نہیں بلکہ یہ ایک قانون ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ملک میں جاری تھا اور جس پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے اور اس وقت بھی اسلامی دستور مملکت کا ایک حصہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ ذمیوں کے بارے میں مسلمانوں کو ہمیشہ متنبہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ ﷺ نے معاہدین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا»[3]

جو کوئی کسی ایسے شخص کو قتل کرے جس سے پہلے عہد و پیمان ہو چکا ہو تو اس قاتل کو جنت کی خوشبو تک نہ مل سکے گی۔ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے معلوم ہوتی ہے۔

یعنی ایسا شخص جنتی نہیں گویا اس کے لیے دوزخ کی وعید ہے۔ قانونی اعتبار سے غیر مسلم کی تین قسمیں ہیں:

معاہد

وہ غیر مسلم رعایا جو کسی معاہدے کے ذریعے سے اسلامی حکومت کو قبول کرے اور جنگ کی نوبت ہی نہ آئے۔ یہ فقہی اصطلاح میں معاہدین کہلاتے ہیں۔ اسلامی حکومت کے زیر نگین آنے کے وقت جو بھی معاہدہ ہوا ہو اسلامی حکومت اس میں کسی قسم کا ردّ و بدل کرنے کی مجاز نہیں۔ جو مراعات یا حقوق بوقت معاہدہ طے پائیں وہ پورے کیے جائیں گے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

يُؤْخَذُ مِنْهُمْ مَا صُولِحُوا عَلَيْهِ وَيُوَفَّى لَهُمْ وَلا يُزَادُ عَلَيْهِمْ[4]

ان سے معاہدہ کے مطابق لیا جائے گا اور ان سے کمی و زیادتی نہیں کی جائے گی۔

امام ابو یوسف نے یہ استدلال سنن ابی داوٗد میں مروی حدیث مبارکہ سے کیا ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَعَلَّكُمْ تُقَاتِلُونَ قَوْمًا، فَتَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ، فَيَتَّقُونَكُمْ بِأَمْوَالِهِمْ دُونَ أَنْفُسِهِمْ، وَأَبْنَائِهِمْ»، قَالَ سَعِيدٌ فِي حَدِيثِهِ: «فَيُصَالِحُونَكُمْ عَلَى صُلْحٍ، ثُمَّ اتَّفَقَا، فَلَا تُصِيبُوا مِنْهُمْ شَيْئًا فَوْقَ ذَلِكَ فَإِنَّهُ لَا يَصْلُحُ لَكُمْ»[5]

عنقریب تم ایک قوم سے لڑو گے اور اس پر غالب آجاؤ گے، پس وہ تم سے اپنی جانوں اور اپنی اولادوں کو مال کے بدلہ میں بچا لیں گے (یہ مسدد کی روایت تھی، سعید کی روایت یوں ہے)۔ پس وہ تم سے مال کے بدلہ میں صلح کریں گے۔ اس کے بعد

---

3 بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، (بیروت: دار القلم، ۱۹۸۱ء) کتاب الجزية، باب إثم من قتل معاهدا بغير جرم، حدیث: ۲۹۹۵

4 قاضی ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، **کتاب الخراج**، (قاہرہ: مکتبہ بولاق، ۱۳۰۲ھ)، ص ۶۹۔

5 ابوداوٗد، **السنن**، کتاب الخراج والامارة والفئی، باب فی تفسير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، حدیث: ۳۰۵۱

دونوں راوی متفق ہیں کہ: پس تم ان سے اس سے زائد کچھ نہ لینا، کیونکہ تمہارے لیے یہ زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

ذمی

وہ غیر مسلم رعایا جن کے علاقے بزور قوت فتح کیے گئے ہوں اور وہ لوگ مفتوح قرار پائے ہوں۔ اس قسم کے لوگ جو آخری دم تک اسلام کے خلاف لڑتے رہیں ان کو جب ذمی بنایا جاتا ہے تو چند ایک شرائط عائد کرنے کے بعد اُن کے حقوق دوسرے ذمیوں جیسے ہوتے ہیں۔ ان شرائط میں پہلی شرط جزیہ کی ہے۔ یہ وہ معمولی قسم کا محصول ہے جو حکومت ذمیوں سے لیتی ہے۔ اسلامی حکومت اپنے مخالف لڑنے والے کو مغلوب کرنے کے بعد عام جنگجوؤں کی طرح ختم نہیں کر دیتی، بلکہ انھیں آزادی کے ساتھ جینے اور ترقی کرنے کے مواقع فراہم کرتی ہے اور یہ ٹیکس لینے کے بعد انھیں کسی طرح بھی ستانے یا پریشان کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتی۔ امام ابو یوسف لکھتے ہیں:

فَإِذَا أَخَذْتَ مِنْهُمُ الْجِزْيَةَ فَلا شَيْءَ لَكَ عَلَيْهِمْ وَلا سَبِيلَ[6]

جب حکومت ذمیوں سے جزیہ وصول کر لے تو پھر اُن پر بلاوجہ دست درازی کا کوئی حق نہیں رہتا۔

عقد ذمہ قائم ہونے کے بعد معاہدین کی طرح یہ اپنی زمینوں کے آپ مالک ہوں گے، ان کی ملکیت ان کے ورثا کو منتقل ہوتی رہے گی اور اپنے اموال منقولہ و غیر منقولہ میں پوری طرح آزاد ہوں گے۔ کوئی بھی بعد میں آنے والی حکومت یا فاتح ان کو بے دخل نہ کر سکے گا۔[7] جزیہ صرف اُن لوگوں پر ہو گا جو اہل قتال ہوں گے۔ بچے، عورتیں، اپاہج، بوڑھے اور بیمار وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔[8]

مستامن

ایک مملکت کی رعایا جب امن اور اجازت لے کر دوسری مملکت میں جائے تو وہ مستامن کہلاتی ہے، جیسے سیاح، تاجر وغیرہ۔ غیر ملکی باشندوں پر مقامی حکومت کو جو عدالتی اقتدار اور اختیار سماعت حاصل ہوتا ہے، اس کا بڑا حصہ ملکی قانون سے متعلق ہے، لیکن اگر مستامن کی اصل حکومت اور اُس کی مقامی حکومت میں جنگ چھڑ جائے تو مقامی حکومت، مستامن کی نظر بندی اور اخراج وغیرہ کے متعلق جو کارروائیاں کرتی ہے اُن کا تعلق قانون بین الممالک سے ہے۔ اسی طرح کسی مملکت کو اس کی رعایا سے جو غیر ملک میں گئی ہوئی ہو، تعلق خاطر ہوتا ہے اور اُس کے بعض حقوق مثلاً مراعات خصوصی کا تعلق قانون بین الممالک ہی سے ہے۔

---

6 قاضی ابو یوسف، **کتاب الخراج**، ص ۸۲۔

7 ابن ہمام، محمد بن عبدالواحد، **فتح القدیر**، (کوئٹہ: مکتبہ الرشید)، ۵: ۲۹۳۔

8 قرطبیؒ، محمد بن احمد، **الجامع لاحکام القرآن**، (القاہرہ: دار الکتب المصریہ، ۱۹۶۴ء)، ۸: ۷۲۔

معاہداتِ عہدِ نبوی ﷺ

حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جن غیر مسلم قبائل نے غیر مسلم ہوتے ہوئے جزیرۃ العرب میں اسلامی حکومت کی رعایا کے طور پر رہنا پسند کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اُن سے کئی معاہدے کیے۔ اُن معاہدات کی تعداد خاصی بڑی ہے، چند ایک معروف معاہدات حسب ذیل ہیں:

نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ پابندی محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اہل نجران کے لیے ہے۔ ان کے پھلوں، سونے چاندی، غلام اور ان اشیا کے ساتھ ہر قسم کے مال کے عوض میں ان پر درج ذیل خراج عائد کیا جاتا ہے:

دو ہزار یمنی حلے (دو قسطوں میں): ماہ رجب میں ایک ہزار، ماہ صفر میں ایک ہزار اور ایک حلہ کے ساتھ ایک اوقیہ چاندی۔ مقررہ مقدارِ خراج میں سے کسی شے کی کمی اور دوسری شے کی بیشی پر جمع و منہا لازم ہو گا۔ اگر اہل نجران عائد شدہ نصاب (غلہ جات اور چاندی) کے عوض میں مندرجہ ذیل اجناس داخل کرنا چاہیں اور بدل، بدل منہ دونوں کی قیمت میں کمی و بیشی کا لحاظ ضرور ہو گا۔ اہل نجران پر میرے تحصیلداروں کی مہمانی اور تکریم واجب ہے۔ اس کے بعد انھیں اپنے ہاں روکا نہ جائے۔ ہماری طرف سے یمن اور معرہ پر حملہ کے وقت انھیں ہم کو:

تیس گھوڑے اور تیس زرہیں عاریۃً دینا ہوں گی، جن کے اتلاف پر اُن کی قیمت اور شکست و ریخت کے ہمارے تحصیلدار ذمہ دار ہوں گے۔ اہل نجران کے ساتھ ان کے ہمسایہ حلیفوں کے لیے بھی محمد (ﷺ) رسول اللہ اپنی طرف سے مندرجہ ذیل اشیا میں تلافی کے ذمہ دار ہیں:

وطن اور وطن کے باہر ہر دو جگہوں میں اُن کے اموال و نفوس کے اتلاف پر۔ اُن کے مذہب اور اُن کے قرابت داروں کی تذلیل و تحقیر پر۔

اُن کے پادری، گوشہ نشینوں اور کاہنوں پر گرفت نہ ہو گی۔ اُن کی ماتحتی کی وجہ سے اُن کے حقوق میں کسی قسم کی کمی عائد نہ ہو گی۔ وہ قبل از اسلام کے قتل کے مواخذہ سے بری ہیں۔ وہ ہماری جنگوں میں شرکت سے مستثنیٰ ہیں۔ ہمارا لشکر اُن پر حملہ نہ کرے گا۔ ہماری عدالت میں دعوے پیش کرنے پر ان سے انصاف کیا جائے گا۔ ان میں سے جو شخص اپنے خاندان سے سود لے گا وہ ہماری ذمہ داری سے محروم ہے۔ کسی فرد کی دوسرے فرد کے عوض میں گرفت نہ ہو گی۔[9]

بالکل اسی طرح کا ایک عہد نامہ اہل نجران سے ہوا جس میں مذہبی آزادی کی اس سے بھی زیادہ وضاحت کی گئی ہے۔ اس

9 قاضی ابو یوسف، **کتاب الخراج**، ص ۷۸۔

معاہدے کو بلاذری نے فتوح البلدان میں تحریر کیا ہے، جس میں حضور ﷺ نے یہ لکھ کر دیا:

ولنجران وحاشيتها جِوَارُ اللهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسلم عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأَرْضِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَعَشِيرَتِهِمْ وَبِيَعِهِمْ وَكُلِّ مَا تَحْتَ أَيْدِيهِمْ مِنْ قَلِيلٍ أَوْ كَثِيرٍ، لَا يُغَيَّرُ أُسْقُفٌ من أسقفيته وَلا رَاهِبٌ مِنْ رَهْبَانِيَّتِهِ وَلا كَاهِن من كهنته وَلَيْسَ عَلَيْهِ ذَنبه۔[10]

اہلِ نجران اور اُن کے حلیفوں کے لیے اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ ان کی جانوں، ان کے مذہب، اُن کی زمینوں، اُن کے اموال، اُن کے موجود اور غیر موجود، ان کے مویشی اور قافلے اور ان کے استھان وغیرہ کے ذمہ دار ہیں اور جس دین پر وہ ہیں، اس سے ان کو نہ پھیرا جائے گا۔ اُن کے حقوق اور ان کی عبادت گاہوں کے حقوق میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ کسی پادری راہب یا سردار کو اس کے عہدے سے نہ ہٹایا جائے گا اور نہ ان کو کوئی خوف ہو گا۔

ان معاہدات سے جو خاکہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے:

- اسلامی حکومت کے ماتحت رہنے والے غیر مسلم لوگ کسی بھی طرح دوسرے درجے کے شہری نہیں ہوتے۔
- ان کے مذہب سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جا سکتا۔
- ان کے اموال، ان کی جان اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمہ ہوتی ہے۔
- اسلامی حکومت کے اندرونی استحکام کی خاطر خلیفہ یا سربراہِ مملکت انھیں انتظامی امور کے عہدے جس حد تک مناسب سمجھے تفویض کر سکتا ہے۔
- اپنے مذہبی عہدے دار وہ خود متعین کرنے کے مجاز ہیں اور ان کی عبادت گاہیں قابلِ احترام ہیں۔

ان سب چیزوں کے عوض غیر مسلم رعایا اسلامی حکومت کو کیا دے گی؟ وہی کچھ جو مسلم رعایا دیتی ہے۔ جو محاصل مسلم دے گا، اس کا نام زکوۃ و عشر ہو گا اور جو محاصل غیر مسلم رعایا دے گی وہ جزیہ یا خراج کہلائے گا۔ اسلامی بیت المال میں جمع ہونے والی رقوم کی الگ الگ دو مدوں کے نام ہیں، اس میں کسی کم تری یا برتری کا کوئی تصور نہیں ہے، جزیہ تو صرف جزا ہے، یہ ادا کرنے کے بعد غیر مسلم رعایا تمام قسم کی جنگی خدمات سے مستثنیٰ ہو جاتی ہے اور اسلامی حکومت اُن کے مال و جان اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

عہد خلافت راشدہ میں غیر مسلموں سے حسن سلوک

نبی اکرم ﷺ کے دور میں جس قانون کی بنیاد رکھی گئی اُس کی توضیحات و تشریحات خلافت راشدہ میں ہوئیں اور یہ بھی حضور ﷺ کے مذکورہ عمل کا تسلسل ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

10 بلاذری، احمد بن یحیی، **فتوح البلدان**، (مصر: دار ابن خلدون، ۱۳۱۹ھ)، ص ۹۰۔

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ»(11)

تم پر میری اور (میرے بعد) خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔

یہ توضیحات و تشریحات قانونِ اسلامی کا حصہ بنتی چلی گئیں اور مابعد کے اسلامی قوانین کی تدوین کے لیے ماخذ کا درجہ قرار پائیں۔ خلافت راشدہ میں غیر مسلم رعایا سے جو معاہدات ہوئے اُن پر ایک نگاہ ڈالنے سے غیر مسلموں کے حقوق کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

دورِ صدیقیؓ

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ملک میں طرح طرح کے فتنے کھڑے ہو گئے جن میں، ارتداد، مانعینِ زکوۃ اور مدعیانِ نبوت کے فتنے سر فہرست ہیں۔ خلیفہ اوّل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوری قوت سے ان فتنوں کو ختم کیا اور ملک میں امن وامان قائم کر دیا۔ جزیرۂ عرب میں جو غیر مسلم رعایا تھی اور انھوں نے اِس پر فتن دور میں کسی قسم کی ہنگامہ آرائی نہیں کی تھی، ان کے ساتھ وہ معاہدات جو حضور نبی اکرم ﷺ سے ہوئے تھے ان پر عمل درآمد کیا گیا اور اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ قیامِ امن کے بعد جب اسلامی فوجیں جزیرۃ العرب سے باہر نئی فتوحات میں مصروف ہوئیں تو اس وقت مفتوحہ علاقوں میں غیر مسلم رعایا سے معاہدات ہوئے، جو بالعموم سپہ سالاروں نے کیے اور اُن کی دربارِ خلافت سے توثیق ہوئی۔ وہ معاہدات جو دور صدیقیؓ میں ہوئے درج ذیل ہیں:

اہل عانات سے معاہدہ:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب دمشق اور شام کی سرحدوں سے عراق اور ایران کی طرف لوٹے تو راستے میں باشندگان عانات کے ساتھ یہ معاہدہ کیا:

> اُن کے گرجے اور خانقاہیں منہدم نہیں کی جائیں گی۔ وہ ہماری نماز پنجگانہ کے سوا ہر وقت اپنا ناقوس بجا سکتے ہیں، اُن پر کوئی پابندی نہیں۔ وہ شوق سے اپنی عید پر صلیب نکالیں۔ مسلمان مسافروں کی ضیافت کریں اور وقت پڑنے پر مسلمانوں کی جان ومال کی نگہداشت کریں۔(12)

اہل حیرہ سے معاہدہ

اہل حیرہ سے حضرت خالد بن ولید نے جو معاہدہ کیا اس کی دفعات حسب ذیل ہیں:

---

11 ابوداؤد، **السنن**، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، حدیث:۴۶۰۷

12 محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، **سیاسی وثیقہ جات**، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۵ء)، ص ۲۴۱-۲۴۲۔

کسی کافر کی مسلمانوں کے خلاف اعانت نہ کریں، مسلمانوں کی مخالفت نہ کریں۔ ہمارے دشمن کو ہمارے خفیہ راز نہ بتائیں۔ اگر وہ ان دفعات کی پابندی نہ کریں گے تو ہماری طرف سے بھی اُن کی امان دہی کا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ ایفائے عہد کی صورت میں جس میں ادائے ٹیکس (جزیہ) بھی شامل ہے، ہم ان کی کسی بھی وقت اعانت اور حمایت میں سبقت کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔ اگر وہ ہمارے ماتحت رہیں تو ان کے لیے جملہ مراعات ہوں گی جو اہل ذمہ کے لیے ہیں۔

درج ذیل اشخاص کے جزیہ (محاصل) معاف ہیں:

اُن بوڑھوں کا جو کام کاج نہیں کر سکتے ہوں۔ آسمانی آفات کے ہاتھوں تباہ شدگان کا۔ اُس فقیر کا جو خیرات پر گزراوقات کرتا ہے۔

اوپر کے تین قسم کے اشخاص کو اسلامی بیت المال سے وظیفہ ملے گا، بشر طیکہ وہ مفتوحہ علاقے سے کسی غیر جگہ منتقل نہ ہوں۔ (اگرچہ وہ غیر مسلم ہی رہیں)۔

لباس میں ذمی لوگ فوجی لباس کے سوا جو چاہیں پہنیں۔ فوجی لباس پہننے کی صورت میں مقدمہ چلے گا، اگر وہ عدالت کو مطمئن نہ کر سکے تو جرم کے مطابق ان کو سزا دی جائے گی۔ اگر وہ مسلمانوں سے کسی قسم کی اعانت کے طلب گار ہوں خواہ مالی ہی ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے گا۔[13]

یہ ہیں وہ دفعات جو تقریباً اُن تمام معاہدات میں قدر مشترک ہیں جو خلیفہ اوّل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں طے پائے اور اس وقت کے ملکی قانون کا حصہ بن گئے۔ آپ کا عرصہ حکمرانی جو تقریباً سوا دو سال پر محیط ہے، اس میں بہت کم ایسے واقعات ملتے ہیں جن کا تعلق اقلیتی افراد سے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو معاہدات ہوئے اُن پر من و عن عمل کیا گیا اور کبھی بھی اقلیتی افراد کو محرومیٔ حقوق کا احساس نہیں ہوا۔

ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک عورت نے، جس کا تعلق اقلیتی گروہ سے تھا، اسلام اور مسلمانوں کی ہجو کہی۔ اس جرم پر مقامی حاکم نے اُسے سزا دی، جب اس کا علم آپ کو ہوا تو آپ نے اس مقامی حاکم کو ایک خط لکھا جس میں اسے تنبیہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

جب ہم نے اس کے کفر و شرک کو برداشت کر لیا ہے تو ہجو تو بہر حال اس سے کم تر درجہ کا جرم ہے۔[14]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اوّل کو اقلیتوں کے حقوق کا بڑا خیال تھا۔

دور فاروقیؓ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کبار صحابہؓ کے مشورے سے خلافت کی ذمہ داریاں سپرد کیں۔

---

13 ایضاً

14 ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، **الصارم المسلول**، (السعودیہ: الحرس الوطنی)، ص، ۲۰۰۔

آپؓ کے زمانہ خلافت میں اسلامی حکومت بہت وسیع ہو گئی اور بہت سے غیر مسلم لوگ اسلامی حکومت کے رعایا بنے۔ آپؓ نے غیر مسلم رعایا سے متعدد معاہدات کیے جن کی مشترک دفعات حسب ذیل ہیں:

اہل ماہ بہراذان سے معاہدہ

حضرت نعمان بن مقرن نے اہل ماہ بہراذان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں معاہدہ کیا، جس کی توثیق آپؓ نے فرمائی۔ اس معاہدے میں اقلیتوں کے متعلق درج ذیل دفعات شامل تھیں:

> اُن کے اموال، نفوس اور اراضی ہر ایک پر اُن کا قبضہ بدستور تسلیم کیا جاتا ہے۔ انھیں نہ تو ان کے دین سے ہٹایا جائے گا اور نہ ان کی شریعت سے تعرض کیا جائے گا۔ انھیں ہر سال ایک مرتبہ جزیہ ادا کرنا ہوں گے، یہ جزیہ ہمارے مقرر کردہ امیر کو دینا ہو گا۔ جزیہ کے عوض ان کی حمایت و حفاظت کی جائے گی۔ جزیہ ہر شخص کی وسعت مالی کے مطابق ہو گا۔ جزیہ کے مکلف صرف بالغ مرد ہوں گے۔ انھیں نو وارد مسافروں کی رہنمائی کرنا ہو گی۔ گزرگاہوں کی حفاظت اُن کے ذمہ ہو گی۔ مسلمان فوجی دستوں کی ایک دن کی مہمانی اور قیام کا انتظام کرنا ہو گا۔ اگر انھوں نے کسی معاملے میں دھوکا دیا یا ان شرائط میں کمی کی تو امان کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔ (15)

اہل قومس سے معاہدہ

اہل قومس سے حضرت سوید بن مقرن نے جو معاہدہ کیا اُس میں صرف ایک شق کا اضافہ ہے کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا ہو گی اور اُن کے خلاف جاسوسی سے اجتناب واجب ہے۔ (16)

اہل جرجان سے معاہدہ

حضرت سوید بن مقرن نے جو معاہدہ اہل جرجان سے کیا اس میں چند ایک شقیں مذکورہ بالا بیان شدہ دفعات پر زائد ہیں:

- یہ کہ جزیہ دینے والا اپنی مصیبت میں اگر حکومت سے اعانت کا خواستگار ہو تو ریاست کی طرف سے اس کی اعانت کی جائے گی۔
- جو فرد یا قبیلہ یہاں سے ترک وطن کرنا چاہے اُسے معاہدین کی سرحد تک امن کے ساتھ پہنچانا ریاست کا ذمہ ہے۔ (17)

---

15 محمد حمید اللہ، **سیاسی وثیقہ جات**، ص ۲۶۵-۲۶۶۔

16 ایضاً، ص ۲۷۱۔

17 ایضاً، ص ۲۷۲۔

اہل آذر بائیجان سے معاہدہ

حضرت عتبہ بن غرقد نے جو آذر بائیجان کے عامل تھے، اہل آذر بائیجان کو یہ معاہدہ لکھ کر دیا:

اس خط کے لیے مندرجہ ذیل اُمور میں کامل امن وامان اور آزادی ہے، ہر قسم کی اراضی، پہاڑ اور اُن کے اطراف کی وادیاں، چشمے سب پر مالکین کا قبضہ رہے گا۔ اُن کی جان ومال، مذہب اور شریعت سے عدم تعرض بعوض اس حد تک جزیہ کے جو وہ اپنی استطاعت کے مطابق ادا کرسکیں اور یہ بھی مندرجہ ذیل اشخاص سے ساقط ہے۔

کم سن بچوں سے، عورتوں سے، بے سروسامان مردسے، جو شخص ہماری طرف سے جہاد میں شریک ہو۔ اگر کوئی بیرونی شخص اُن کے پاس آکر آباد ہو جائے تو وہ بھی ان شرائط کا پابند ہوگا۔[18]

اسی طرح کے اور معاہدات اہل ماہ دینار، اہل اصفہان، مروان شاہ اور اہل دیناوند سے بھی ہوئے۔ یہ تمام معاہدات ایران، عراق اور دمشق میں طے ہوئے۔ اب مصر میں طے ہونے والے معاہدات میں سے اہل ذمہ سے متعلق چند ایک دفعات درج ذیل ہیں۔

اہل عین الشمس سے معاہدہ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کے مشہور تاریخی شہر کی فتح پر اہل عین الشمس کو یہ معاہدہ لکھ کر دیا:

اُن کی جان ومال، گرجے، صلیب، ہموار اور نشیبی اراضی اور پانی کے ذخائر ان میں سے کسی شے سے تعرض نہ ہوگا، لیکن وہ اپنی عبادت گاہوں میں اضافہ نہ کریں گے اور نہ ہماری طرف سے ان میں کوئی کمی کی جائے گی۔ اہل نوبہ کو اپنے ہاں آباد نہ کریں۔ جزیہ اور اطاعت اس حلقہ کے تمام باشندوں کے اتفاق رائے پر ہے۔ جزیہ دریائے نیل کی طغیانی کے سال میں پانچ لاکھ اور اس کے اترنے کے سال پیداوار میں کمی کے حساب سے بھی اس میں کمی ہوتی رہے گی۔ چوری کی واردات پر اصلی مجرم کے علاوہ اور کسی سے تعرض نہ کیا جائے۔[19]

باقی تمام دفعات تقریباً وہی ہیں جو پہلے معاہدات میں مذکور ہوئی ہیں۔

اہل ایلیا سے معاہدہ

دورِ خلافت میں سب سے زیادہ مہتم بالشان معاہدہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ایلیا سے کیا اس کی چند دفعات درج ذیل ہیں:

---

18 ایضاً، ص ۲۷۴۔

19 ایضاً، ص ۲۷۶۔

عام آزادی کے متعلق

اُن کے اموال، جان، عبادت گاہیں، صلیب، مریض، توانا، ہر ایک شے سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ان سے بلاوجہ نہ تو پرسش ہوگی اور نہ ہی ضرر رسانی ہوگی۔

مذہبی اُمور کے متعلق

گرجوں کے لیے یہ رعایت ہے کہ نہ وہ مسمار کیے جائیں گے اور نہ ہی ان کا مرتبہ کم کیا جائے گا اور نہ ان کے اندر اور باہر سے کوئی شے دور کی جائے گی، ان کی صلیب کے طول وعرض اور نقش و نگار سے بھی تعرض نہ ہو گا۔ اس کے عوض اہل ایلیا سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ جزیہ میں اہل مدائن کی شرائط کی پابندی کریں گے۔[20]

مذکورہ بالا تمام دفعات میں جو مختلف معاہدوں میں دنیا کے مختلف علاقوں میں اور مختلف حالات میں طے پائیں، یہ صاف نظر آتا ہے کہ اقلیتیں بحیثیت انسان بالکل مسلمانوں کے برابر مراعات کی حق دار ہیں، ان پر کسی قسم کی نار واقدغن نہیں لگائی گئی اور ان کو مال، جان، مذہب، رسل ورسائل، نکاح وغیرہ تک کی آزادی دی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہونے والے معاہدات سے یہ پتا چلتا ہے کہ کسی بھی غیر مسلم کو نہ تو جبراً مسلمان کیا گیا اور نہ ہی کسی غیر مسلم پر کوئی ایسی قدغن لگائی گئی جس سے اُن کے مذہب پر زد پڑتی ہو۔ آپؓ کے زمانۂ خلافت کے بارے میں مستشرقین نے بہت واویلا کیا ہے کہ اس میں اقلیتوں کے ساتھ بہت ناروا سلوک روا رکھا گیا، حالانکہ درحقیقت اقلیتیں آپؓ کے زمانہ میں بہت محفوظ و مامون تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے عملی طور پر تنبیہ فرمادی کہ خبردار کوئی مسلمان غیر مسلم اقلیتی افراد کے خون کو ارزاں نہ سمجھے۔ اس طرح غیر مسلم اقلیتوں کی جان کی حفاظت کا مستقل بندوبست فرمادیا۔

جہاں تک مالی اُمور کا معاملہ ہے تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سواد اور ایران کی مفتوحہ زمینوں کو اُن کے غیر مسلم مالکان سے چھینا نہیں، بلکہ اُن کے قبضے میں بدستور رہنے دیا اور اُن پر نہایت ہی خفیف سا محصول لگادیا جسے خراج کہتے ہیں۔ یہ محصول اس ٹیکس سے کئی گنا کم تھا جو وہ پہلے ایرانی حکومت کو ادا کرتے تھے۔[21]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آخری دم تک اقلیتوں کے حقوق کا خصوصی خیال تھا، حالانکہ ایک اقلیتی فرقہ کے فرد کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمارہے تھے، مگر آخری وقت ارشاد فرمایا:

أُوصِي الْخَلِيفَةَ مِنْ بَعْدِي بِأَهْلِ الذِّمَّةِ خَيْرًا، أَنْ يُوَفِّيَ لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ، وَأَنْ يُقَاتِلَ مِنْ وَرَائِهِمْ، وَأَنْ لَا يُكَلَّفُوا فَوْقَ

---

20 ابن الجوزی، عبدالرحمان بن علی، **فضائل القدس**، (بیروت: دار الآفاق، ۱۹۸۰ء)، ص ۱۲۳۔

21 قاضی ابویوسف، **کتاب الخراج**، ص ۳۰-۴۲۔

طَاقَتِهِمْ(22)

میں اپنے بعد والے خلیفہ کو اہل ذمہ (اقلیت) کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان سے کیے ہوئے وعدے پورے کرے اور اُن کی حفاظت کے لیے لڑے اور اُن کو اُن کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر سے آنے والے لوگوں سے وہاں کی اقلیتوں کے بارے میں برابر پوچھتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ بصرہ سے آنے والے ایک اقلیتی وفد سے دریافت فرمایا:

لعل المسلمين يفضون إلى أهل الذمة بأذى وبأمور لها ما ينتقضون بكم! فقالوا: ما نعلم إلا وفاء(23)

شاید مسلمان اقلیتوں کو کچھ تکلیف دیتے ہیں۔ (تو اہل ذمہ نے) کہا ہم نے عہد کی پابندی کے علاوہ ان میں کچھ نہیں دیکھا۔ یعنی مسلمانوں نے ہم سے جو معاہدہ کیا ہے اسے پورا کر رہے ہیں۔

مذکورہ بالا تصریحات سے پتا چلتا ہے کہ اسلام بقائے باہمی کے لیے غیر مسلموں سے تعلقات کے حوالے سے بھی نہایت حساس ہے اور اپنی ذمہ داریاں بہر طور پورا کرتا ہے۔ معاہدات کو پورا کرنے اور اُن کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو مسلمانوں کی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔

غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک، مستشرقین کے اعترافات

منٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) مسلمانوں کے ساتھ عناد واختلاف کے باوجود عہد فاروقیؓ میں مسلمانوں کی وسعتِ قلبی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> Despite this obstinacy, as it appeared to them, the Muslim were prepared to tolerate Jews and Christians as "protected groups" within the Islāmic state and to admit that their presence did not conflict absolutely with its religious bias"[24]

(ذمیوں کی) اس سرکشی اور خود رائی کے باوجود (جو مسلمانوں کی نظر میں سرکشی وخود رائی تھی) سلطنت اسلامیہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کو ذمی کی حیثیت سے قبول کرنے کے لیے مسلمان تیار تھے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ ان یہود ونصاریٰ کی موجودگی سلطنت کی مذہبی اساس سے بالکل متصادم نہیں۔

آرنلڈ (T.W.Arnold) نے اس معاہدے کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:

The extent of this toleration so striking in the history of seventh century

22 یحییٰ ابن آدم القرشی، **کتاب الخراج**، ص ۸۰۔

23 طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، **تاریخ الامم والملوک**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ)، ۳:۲۱۸۔

24 W. Montgomery Watt, **Islam and the Integration of Society**, (Canada, 1966), P:158.

may be judged from the terms granted to the conquered cities.[25]

اس رواداری کی رفعت وبلندی کا اندازہ اُن شرائط سے لگایا جا سکتا ہے جو مفتوحہ شہروں کے لیے منظور کی گئیں اور رواداری ساتویں صدی عیسوی میں نہایت حیرت ناک اور قابل توجہ ہے۔

معاہدے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں داخل ہوئے، ایک پادری کے ساتھ ایک گرجا میں تشریف لے گئے کہ نماز کا وقت آ پہنچا، پادری نے عرض کیا کہ گرجا میں ہی نماز ادا فرمالیں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں نماز ادا نہ فرمائی کہ مبادا مسلمان اس گرجا کو مسجد بنالیں کہ امیر المؤمنین نے یہاں نماز ادا فرمائی ہے۔(26)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذہبی تعصب و تنگ دلی کے اس دور میں وہ مذہبی آزادی دی کہ شاید اس ترقی یافتہ دور میں بھی میسر نہ ہو، عہد فاروقی کے تمام معاہدات میں مذہبی آزادی کی ضمانت نمایاں نظر آتی ہے۔ جرجان، آذر بائیجان، موقان کے باشندوں سے جو معاہدات کیے گئے وہاں مذہبی آزادی کی ضمانت موجود ہے۔اس سے بڑھ کر اور کیا آزادی ہو گی کہ ان کے معابد میں خود نماز پڑھنے سے احتراز کیا جائے۔(27)

ہیوز (T.P. Hughs) نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رواداری کا ذکر کرتے ہوئے بنو تغلب کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب انھوں نے حضرت ولید بن عقبہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور آپ نے تبدیلی مذہب پر اُن کو مجبور کرنا چاہا تو دربارِ خلافت سے یہ فرمان جاری ہوا:

Leave them……. In the profession of the gospel[28]

ان کو دین عیسوی پر ہی رہنے دو۔

مصر کی مکمل فتح کے بعد بہت سے قبطی اور رومی گرفتار ہو کر آئے، فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا تو جواب آیا:

> سب کو بلا کر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے، مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر ہی رہیں۔اسلام قبول کر لیں تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں، ورنہ جزیہ دینا ہو گا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔(29)

دور جدید کے مؤرخ فلپ۔ کے۔ ہٹی (Philip.K.Hutti) نے اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معاملے میں زیادہ انصاف سے کام نہیں لیا، لیکن یہ اعتراف اُس نے بھی کیا ہے کہ آپ ؓ کے عہد مبارک میں غیر مسلموں کو بالکل مذہبی آزادی

---

25 Arnold Thomas, **The preaching of Islam**, (Lahore:1965), P:952.

26 Muhammad Ali, **Early Caliphate**, (Lahore: 1951), P: 137.

27 شبلی نعمانی، **الفاروق**، (کراچی: دارالاشاعت)، ص ۲۵۶-۲۵۷۔

28 T.P. Hughes, **A Dictionary of Islam**, p:653.

29 شبلی نعمانی، **الفاروق**، ص ۲۵۶-۲۵۷۔

حاصل تھی، وہ لکھتا ہے:

Being outside the pale of Muslim law they were allowed the jurisdiction of their even religious communities.[30]

قانون اسلامی کے دائرہ سے باہر ہونے کی وجہ سے ذمیوں کو اپنے مذہبی فرقوں کے مقدمات کے فیصلہ کرنے کا عدالتی اختیار حاصل تھا۔

آرنلڈ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رواداری کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

They were allowed the free and undisturbed exercise of their religion. [31]

ذمیوں کو اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی بلا روک ٹوک کھلی اجازت تھی۔

آرنلڈ مقامی لوگوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس بے مثال رحم و کرم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

For the provinces of Byzantine empire, that were rapidly acquired by the prowess of Muslims found themselves in the enjoyment of a toleration such as, ……had been unknown to them for many centuries.[32]

بازنطینی حکومت کے وہ صوبے جو بہت ہی جلد مسلمانوں کی بے مثال دلیری و شجاعت کے آگے سپر انداز ہو گئے... رواداری اور حسن سلوک کی ایک ایسی پر مسرت فضا محسوس کر رہے تھے جو صدیوں سے ان کے لیے انجانی تھی۔

ڈاکٹر حسینی نے اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا ہے:

Finely 'Umar quoted verses 7-9 of chapter lix of the Qur'ān wherein declared that the conquered lands belong to the poor among the Muhājirīn and the Anṣār and those came after them. He laid emphasis on the clause "who came after them" ad carried his proposal through.[33]

آخر کار (حضرت) عمرؓ نے قرآن کریم کی ۵۹ ویں سورۃ (حشر) کی آیت نمبر ۷ تا ۹ کا حوالہ دیا جس میں بتایا گیا کہ مفتوحہ زمین مہاجر و انصار کے غربا کے لیے ہے اور ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد آئے.... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت کے اس حصے پر زور دیا 'اور جو ان کے بعد آئے' اور اس طرح اپنی تجویز کو مجلس شوریٰ میں پاس کرا لیا۔

الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں اور غیر مسلموں کو ممکنہ حد تک مراعات دیں۔ دیوانی، فوجداری، مذہبی معاملات میں ہی نہیں، بلکہ یہاں تک کہ ذمی کو یہ بھی رعایت دی گئی کہ جب چاہے عقد ذمہ توڑ دے، لیکن مسلمان عقد ذمہ نہیں توڑ سکتا..... یعنی اگر وہ خلافت اسلامیہ میں رعیت بن کر رہنا چاہتا ہے، خوشی سے رہے اور جزیہ دیتا رہے، لیکن اگر کہیں اور جانا چاہتا ہے تو پھر

30 P.K Hitti, **History of the Arabs**, (New York: 1963), P:170.
31 T.W. Arnold, **The preaching of Islam**, P:56.
32 Ibid, P:56.
33 Dr. S.A.Q .Husaini, **Arabs Administration**,(Lahore: 1996), P:123.

جہاں جی چاہے چلا جائے، کوئی پابندی نہیں۔(34)

ناقوس بجانے اور صلیب نکالنے کی اجازت نہیں دی

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے ناقوس بجانے اور صلیب نکالنے کی اجازت نہیں دی، حالانکہ یہ پابندی صرف نماز کے اوقات میں تھی اور مسلمانوں کے علاقوں میں تھی، جب کہ اُن کو اپنے علاقوں میں ناقوس بجانے اور صلیب نکالنے کی ہر وقت اجازت تھی، کوئی پابندی نہ تھی۔ آرنلڈ نے اِن پابندیوں کا عادلانہ اور منصفانہ جائزہ لیا ہے اور صاف صاف لکھا ہے:

> They were allowed free and undisturbed exercise of their religion with some restrictions imposed for the sake of preventing any friction between the adherents of the rival religions, or arousing any fanaticism by the ostentatious, exhibition of religious symbols that were so offensive to Muslims feeling.[35]

ذمیوں کو چند پابندیوں کے ساتھ آزادانہ اور بلا روک ٹوک مذہبی مراسم ادا کرنے کی اجازت تھی، اور یہ پابندی اس لیے لگائی تھی کہ کہیں دو حریف مذہبوں کے ماننے والے آپس میں نہ لڑیں یا مذہبی نشانات کی نمود و نمائش سے جو مسلمانوں کے جذبات واحساسات کو ٹھیس پہنچائے، تعصب و تشدد کی فضا نہ پیدا ہو جائے۔

جزیہ پر اعتراضات کے ضمن میں ڈاکٹر حسینی لکھتے ہیں:

جزیہ کی طرح ٹیکس، اسلام سے قبل بھی رائج تھے، لیکن اسلام سے قبل جزیہ لینے میں اور اسلام میں جزیہ لینے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسلام پوری ذمہ داری کے ساتھ جزیہ لیتا ہے اور انہوں نے کوئی ذمہ داری محسوس نہ کی۔(36)

آرنلڈ نے لکھا ہے:

> But this 'Jizyah' was too moderate to constitute a burden, seeing that it released them from the compulsory military service that was incumbent on their Muslim fellow-subjects.[37]

لیکن یہ جزیہ تو بہت ہی واجبی سا تھا، ایسا نہ تھا کہ اس کو بار گراں تصور کیا جاتا، خصوصاً جب کہ یہ دیکھا جائے کہ جزیہ کے بدلے لازمی فوجی خدمت سے ذمیوں کو چھٹکارا مل گیا تھا، حالانکہ یہ فوجی خدمت اُن کی ساتھی مسلم رعایا پر فرض تھی۔

ہٹی اسی حقیقت کو اس انداز سے بیان کرتا ہے:

---

34 مودودی، **اسلامی ریاست**، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۹ء)، ص ۲۵۶۔

35 T.W. Arnold, **The preaching of Islam**, P:56.

36 Dr. S.A.Q .Husaini, **Arabs Administration**, P:44.

37 T. W. Arnold, **The preaching of Islam**, P:59.

As Dhimīs, the subject peoples, would the protection of the Muslims and have on military duty to perform, since they were barred by religious from service in the Muslim army, but they would have a heavy tribute to pay.[38]

جیسے کہ ذمی، زیر حمایت افراد، مسلمانوں کی حفاظت سے فائدہ اٹھاتے تھے اور انھیں فوجی خدمات سے استثنا حاصل تھا، البتہ اس کے بدلہ انھیں بھاری رقم دینا ہوتی تھی۔

یہ جزیہ جس کو ہٹی (Hitti) بار گراں سے تعبیر کرتا ہے ذرا اس کی تفصیل تو ملاحظہ ہو، آرنلڈ نے جزیہ کے تین درجات کا ذکر کیا ہے جو امرا، متوسطین اور عام ذمیوں کے لیے مخصوص تھے:

Five Dinār for the rich, four for the middle classes and three for the poor.[39]

امرا کے لیے پانچ دینار، متوسطین کے لیے چار دینار اور غربا کے لیے تین دینار۔

پھر یہ معمولی رقم بھی جبراً و قہراً نہ لی جاتی تھی، بلکہ ممکنہ حد تک رعایت کی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عاملین کو ہدایت کر دی تھی:

لَا يُكَلَّفُوا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ(40)

اُن کی سکت و طاقت سے زیادہ اُن پر بوجھ نہ ڈالو۔

سفر شام کے دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک عامل جزیہ وصول کرنے کے لیے ذمیوں کو سزا دے رہا ہے، آپؓ نے اس حرکت سے اس کو باز رکھا اور فرمایا:

لَا تُعَذِّبُوا النَّاسَ فَإِنَّ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا يُعَذِّبُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(41)

انھیں تکلیف نہ دو، اگر تم ان کو عذاب دو گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب دے گا۔

ایک مرتبہ ایک ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا، فرمایا: ''کیوں مانگتا ہے؟'' عرض کیا گیا ''جزیہ دینے کے لیے؟'' آپ نے فوراً جزیہ معاف فرما دیا اور بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا اور افسر خزانہ کو تحریر فرمایا:

خدا کی قسم یہ ہر گز انصاف نہیں کہ ہم اس کی جوانی میں اس سے فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں اس کو رسوا کریں۔(42)

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

---

38 P.K Hitti, **History of the Arabs**, P:170.

39 T. W. Arnold, **The preaching of Islam**, P:57

40 قاضی ابو یوسف، **کتاب الخراج**، ص ۸۲۔

41 ایضاً

42 ایضاً، ص ۷۲۔

اگر بقول مغربی مؤرخین جزیہ اسلام قبول نہ کرنے کا جرمانہ ہے تو پھر زکوٰۃ کے متعلق کیا کہا جائے گا، وہ اسلام قبول کرنے کا جرمانہ ہے؟ جب کہ یہ جزیہ صرف قابل جنگ مردوں سے لیا جاتا ہے اور زکوٰۃ صاحبِ استطاعت مرد و زن سب پر ہے۔(43)

دورِ عثمانیؓ

خلافت راشدہ کے تیسرے دور کا آغاز ایک المناک حادثے سے ہوا۔ ہوا یوں کہ ایک غیر مسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کر کے آپ کو زخمی کر دیا، جس سے آپؓ جانبر نہ ہو سکے۔ آپؓ کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ نے غصے میں آکر قتل کی سازش میں ملوث تین آدمیوں کو قتل کر دیا، جن میں سے ایک مسلمان اور دو غیر مسلم عیسائی تھے۔ حضرت عبید اللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ خلیفۂ ثالث نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے اِس معاملے کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے رائے لی۔ تمام صحابہؓ کی رائے یہ تھی کہ عبید اللہ کو قتل کر دیا جائے، لیکن بعد میں خون بہا پر مصالحت ہو گئی۔ اور خون بہا (دیت) کی رقم تینوں مقتولین کے لیے برابر برابر مقرر کی گئی۔(44) اس سے معلوم ہوا کہ خلافت میں مسلمانوں اور غیر مسلم اقلیتوں کے جانی حقوق برابر تھے۔

امام حمید بن زنجویہ، ابو عبید اور بلاذری نے حضرت عثمانؓ کا فرمان نقل کیا ہے:

إني أوصيك بهم خيرا فأنهم قوم لهم الذمة(45)

میں تمھیں ان غیر مسلم شہریوں کے بارے وصیت کرتا ہوں، یہ وہ قوم ہے جنھیں ہر طرح کی امان دی جا چکی ہے۔

دورِ مرتضویؓ

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور بہت پر آشوب تھا۔ مسلمانوں میں انتشار اور افتراق کا دور دورہ تھا اور حکومت کے قدم پورے طور پر نہ جمے تھے۔ مگر اس دور میں بھی اقلیتوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ ایک دفعہ آپؓ کے پاس ایک مقدمہ آیا جس میں قاتل مسلمان تھا اور مقتول غیر مسلم۔ آپؓ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دینے کا حکم دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر فیصلہ کیا، مگر مقتول کے وارثوں نے دیت لے کر قاتل کو چھوڑ دینا چاہا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپؓ نے مقتول کے ورثا کو بلا کر پوچھا کہ تمھارے اوپر کوئی دباؤ تو نہیں ڈالا گیا تو انھوں نے عرض کیا کہ نہیں، ہم پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا، تب آپؓ نے وہ دیت دلا دی جو مسلمانوں کے دیت کے برابر تھی اور فرمایا:

---

43 مودودی، **اسلامی ریاست**، ص ۵۹۵۔

44 شبلی نعمانی، **مقالات شبلی**، (اعظم گڑھ: دار المصنفین)، ۲: ۷۰-۳۔

45 ابن زنجویہ، حمید بن مخلد، **الاموال**، (السعودیہ: مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات، ۱۴۰۶ھ)، ۲: ۴۴۷۔

مَنْ كَانَ لَهُ ذِمَّتُنَا فَدَمُهُ كَدَمِنَا، وَدِيَتُهُ كَدِيَتِنَا[46]

جو غیر مسلم ہماری ذمہ داری میں ہے، اُس کا خون ہمارے خون جیسا ہے اور اُس کی دیت بھی ہماری یعنی (مسلمانوں کی) دیت کے برابر ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دور مرتضوی میں بھی بقائے باہمی کے تقاضے کس قدر اہتمام سے پورے کیے جاتے تھے۔

نتیجہ بحث

انسانیت کی بقامعاشروں کی اصلاح اور فرد کی تربیت پر موقوف ہے اور اسلام نے انسانی معاشروں کو وہ احکام پیش کیے ہیں کہ اگر اُن پر کماحقہ عمل کر لیا جائے تو یقیناً عالم دنیا میں حضرت انسان کے وجود کو تمام تر خطرات و حوادث سے بچایا جا سکتا ہے اور دنیا امن و آشتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے ادوار میں اسلامی ریاستوں میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ اس نہج پر معاملات استوار کیے کہ جس سے انسانیت کی بقا کی مکمل تصویر جھلکتی نظر آتی ہے اور آئندہ اصلاح اور بقائے باہمی کے لیے اقوام عالم کے لیے ان احکام و ضوابط کو اپنانا از بس ضروری اور ناگزیر ہوگا۔

OOOOO

46 بیہقی، احمد بن حسین، **السنن**، (مکہ مکرمہ: مکتبہ دار الباز، ۱۹۹۶ء)، حدیث: ۱۵۷۱۲